© rasailojaraid.com

نقطۂ نظر

نکاح، طلاق اور حلالہ علم بالوجی کی روشنی میں

ڈاکٹر خضر یسین

نوٹ: زیرِ نظر مضمون علامہ اقبال اکیڈمی کے ایک نوجوان اسکالر ڈاکٹر خضر یسین صاحب نے لکھا ہے جس میں پہلے تو انہوں نے طلاق کے حوالہ سے اپنے اشکالات پیش کئے ہیں پھر وہ مجتہدینِ اسلام، فقہاءِ کرام، علماءِ ملت اور عاملینِ فقہ پر خوب برسے ہیں، ان کے خیالات سے مترشح ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ فقہ کے دیگر مصادر و مراجع کی دین میں کوئی حیثیت نہیں ان کے غصہ کا اندازہ مضمون کے خط کشیدہ الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے...... نکاح طلاق حلالہ و فسخِ نکاح کے عنوانات پر لکھتے ہوئے وہ اپنے سے کئی گنا اور کئی لحاظ سے معتبر اعیان و افرادِ دین کو **معمول بہ فقہ کے حاملین و عاملین اور قدامت پرست فقہی ذہن** کہہ کر ان پر اس طرح حملہ آور ہوئے ہیں کہ انہیں شاید یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ان کی تنقید کا نشانہ ائمہ اربعہ، تابعین تبع تابعین اور صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین بن رہے ہیں، ان کی تحریر سے محسوس ہوتا ہے کہ جن نامور اساتذہ کرام و اساطینِ دین سے انہوں نے علم حاصل کیا ہے ممکن ہے ان کے نزدیک کوئی بڑے سے بڑا شخص اگرچہ امامِ مذہب مجتہد یا تابعی و صحابی ہی کیوں نہ ہو آج کے مادی اعتبار سے ترقی یافتہ دور کے کسی نوجوان کی، آزادانہ و بے باکانہ تنقید سے بالاتر نہیں اور نہ کسی احترام کا مستحق ہے......ہم ان کا مضمون علامہ مرتضائی صاحب کے تبصرہ کے ساتھ نذرِ قارئین کررہے ہیں۔ اگر کوئی صاحبِ علم اس پر گفتگو فرمانا چاہیں تو براہِ راست جناب ڈاکٹر خضر یسین صاحب سے فون نمبر 0300-4681778 پر یا اقبال اکیڈمی لاہور میں براہ راست رابطہ کرسکتے ہیں۔ واضح رہے کہ ہمیں مضمون کے بعض مندرجات پر شدید تحفظات ہیں اور بعض سے کلی اختلاف ہے۔ جس کا اظہار کسی مناسب موقع پر کیا جائے گا، ہم نے یہ مضمون مجلّہ فقہ اسلامی سے علمی تعلق رکھنے والے بعض احباب کو تبصرہ کے لئے بھیجا جن میں سے ایک جناب مفتی ضمیر احمد مرتضائی صاحب کا تبصرہ سردست موصول ہوا ہے جو اسی مضمون کے ساتھ ہی شائع کیا جارہا ہے۔ (مجلس ادارت)

نکاح:

مرد کا عورت سے حلال اور جائز جنسی تمتع فقط ''نکاح'' سے ممکن ہے۔ اللہ کے حکم کی اتباع کی نیت سے حق مہر کے عوض، عورت اپنے جنسی تمتع کی تملیک مرد کے حوالے کرتی ہے، اسے ''نکاح'' کہا جاتا ہے۔ یہ تملیک عارضی نہیں دائمی ہوتی ہے۔ عورت اپنی محولہ تملیک کی خود امانت دار ہے اور انسانوں کے سامنے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ عقدِ نکاح کے دوران میں مرد عورت کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانوں کے سامنے اور اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ عقدِ نکاح میں آنے سے قبل عورت اپنے سے جنسی تمتع کی تملیک مرد کے حوالے کرنے اور نہ کرنے میں خودمختار ہے۔ عقد نکاح میں آجانے کے بعد عورت اپنے سے جنسی تمتع اور اس کے نتائج میں تصرف کی مالک نہیں ہے اور عقد نکاح فسخ کرنے کا حق بھی نہیں رکھتی۔ عقد نکاح کے دوران میں مرد عورت کے اور عورت مرد بعض ذاتی و شخصی حقوق میں شراکت دار ہوتی ہے۔ ذاتی و شخصی حقوق میں جس شراکت و سہامت کی اصل عقد نکاح ہے، وہ اور کسی ذریعے سے وجود میں نہیں آسکتی۔ توالد و تناسل کی اصل عقد نکاح نہ ہو تو مرد عورت کے اور عورت مرد ذاتی اور شخصی حقوق میں شریک و سہیم نہیں ہوسکتی۔ عقد نکاح کی اصل توالد و تناسل اور شہوت رانی کے بجائے تحفظ عفت و عصمت ہے۔ عقد نکاح حدود اللہ میں سے ایک حد ہے، اس کے قیام و بقا کی ضمانت تقویٰ اللہ ہے، اللہ کی حدود سے تجاوز تقویٰ اللہ سے اعراض اور نفی کا مظہر ہے۔

عقد نکاح کے قائم ہوجانے کے بعد ''مرد'' باذن اللہ مطاع اور عورت باذن اللہ مطیع ہے۔ انسان کی اطاعت اللہ کی نافرمانی کے بغیر ممکن نہ ہو تو مردود ہے۔ مرد پر واجب ہے باذن اللہ اطاعت کا سازگار ماحول مسلسل فراہم کیے رکھے اور یہی ذمہ داری عورت کی بھی ہے۔ عقد نکاح کے باعث یہ ذمہ داری جس طرح مرد پر واجب ہے اسی طرح عورت پر ہے۔ منکوحہ عورت آزاد مگر اس سے وابستہ جنسی تمتع اس کے مرد کی ذاتی، شخصی اور نجی ملکیت ہے۔ مرد عورت کے امانت دار ہونے میں مشکوک یا متردد ہو تو رشتہ ازدواج کے قیام سے اعراض کرنا ضروری ہے۔ مناکحت کے قیام و بقا میں عورت کی پاکدامنی اصل ہے، عورت کی پاکدامنی کے لیے سازگار ماحول فراہم کرنا ''مرد'' کا وظیفہ ہے۔ قبل از مناکحت والد اور بعد از مناکحت خاوند کا فرض ہے کہ عورت کی نسوانیت کی حفاظت کریں۔ انسانوں کے مابین تمام رشتہ داریاں عقد نکاح سے مشروط ہیں، یہ محض قانونی تعلق نہیں بلکہ قانونی تعلق سے سوا ہے۔ مناکحت میں فریقین قانونی ذمہ داری تک محدود رہیں یا اصرار کریں تو باہمی مودت و موانست ختم ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ عقد نکاح قانونی حقوق و فرائض میں مقید رہے تو زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکتا، اس تعلق کے قیام و بقا کے لیے فریقین کو عدل سے زیادہ فضل سے کام لینا ہوتا ہے۔

عقد نکاح میں فریقین ایک دوسرے کے فرائض میں معاون ہوسکتے ہیں، حامل نہیں ہوسکتے۔ فریقین اپنے اپنے حقوق سے متجاوز ہوکر کسی ایسے مطالبہ پر اصرار نہیں کرسکتے جو کسی فرض کی ادائیگی سے وجود میں نہ آتا ہو۔ عقد نکاح کے ذریعے سے مرد عورت سے وابستہ جنسی تمتع کا مالک بنتا ہے، عورت مرد سے وابستہ جنسی تمتع کی مالک نہیں بنتی۔ عورت مرد سے وابستہ جنسی تمتع کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کرسکتی، مرد یہ دعویٰ کرسکتا ہے اور اس کا یہ دعویٰ حق بجانب ہے۔ تعدد ازواج مرد کے لیے جائز اور عورت کے لیے ناجائز اس لیے ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی قانون قدرت ہے اور یہی اصول فطرت ہے۔ فرد یا معاشرہ قانون قدرت اور اصول فطرت سے انحراف کی راہ اختیار کرسکتا ہے مگر نتائج دونوں بھوگتے ہیں، فرد کی کارستانی معاشرے اور معاشرے کی کارفرمائی فرد کے لیے رحمت کا باعث ہوتی ہے یا زحمت کا سبب بن کر رہتی ہے۔ عقد نکاح معاشرے کی تمام وحدتوں کی باہمی نسبتوں میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے، مگر معاشرے کی تمام وحدتوں کی باہمی نسبتیں ناگزیر طور پر عقد نکاح سے مشروط نہیں ہوتیں۔ جن معاشروں میں مختلف وحدتیں کی باہمی نسبتیں عقد نکاح کو غیر ضروری فرض کرتی ہیں یا عقد نکاح میں مرد اور عورت سے وابستہ جنسی تمتع کو یکساں فرض کرتی ہیں یعنی جس طرح عقد نکاح کے ذریعے سے عورت سے وابستہ جنسی تمتع مرد کی نجی ملکیت قرار پاتا ہے اسی طرح سے مرد سے وابستہ جنسی تمتع عورت کی نجی ملکیت قرار پاتا ہے، ایسے معاشروں کی ناہمواری آج کے انسان کا اجتماعی تجربہ بن چکا ہے۔ قید نکاح میں مرد اور عورت ایک دوسرے کا لباس بنتے ہیں، ایک دوسرے کے حقوق و فرائض میں معاون بنتے ہیں، اس ذمہ داری سے اعراض کے تمام امکانات بالآخر عورت کو معاشرے میں شہوت رانی کا ایک وسیلہ بنا دیتے ہیں۔

عورت سے وابستہ جنسی تمتع کے تحفظ کی پہلی ذمہ داری خود عورت پر ہے، عورت دیانت داری کے ساتھ ذمہ داری نباہتی ہے تو مرد کا فرض ہے کہ اسے ہر طرح کا تحفظ فراہم کرے۔ عورت اپنے سے وابستہ جنسی تمتع کی حفاظت نہ کرے تو اسے معاشرے میں آزاد چھوڑنے کے بجائے قید و بند میں رکھنا ضروری ہے اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو زدوکوب کے ذریعے روکنا ضروری ہے، خود عورت کے حق میں بھی یہی بہتر ہے۔ عورت اور مرد اپنے سے وابستہ جنسی تمتع کی حفاظت سے دستبردار ہوجائیں تو عقد نکاح کے اہل نہیں رہتے۔ ایسے مرد اور عورت سے نکاح 'حرام' ہے جو اپنی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرنے سے اعراض کریں۔ عقد نکاح اخلاقی اقدار میں سے ایسی قدر نہیں ہے جسے فرد اور معاشرے نظرانداز کرنا شروع کر دیں یا اس کے خلاف ماحول کو فروغ دینے کا باعث بنیں تو اسے فرد اور معاشرے کا نجی یا شخصی فیصلہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے۔ عقد نکاح سب سے بڑی اخلاقی فضیلت ہے، اہم ترین دینی فریضہ ہے۔ جنسی تمتع کی محافظت سے آزاد عورت و مرد کی تعظیم و تکریم انسانی معاشروں میں ممکن نہیں ہوتی الا یہ معاشرہ اخلاقی اقدار سے کاملاً عاری ہوجائے۔ انسانی اخلاقی اقدار سے مزین عمرانی ہیئت میں ایسے افراد کی تعظیم تو درکنار ان سے معمول کے عمرانی روابط اخلاقی پستی کی علامت متصور ہوتے ہے۔

عقد نکاح معاشرتی قدر ہے، دیگر معاشرتی اقدار کی طرح یہ بھی فرد واحد کا ایک حد تک انفرادی فیصلہ ہے، مکمل طور پر انفرادی، شخصی فیصلہ نہیں ہے۔ معاشرہ میں فرد کی کامل آزادی لغو اور بے معنی تصور ہے، عقد نکاح معاشرے کی اصل الاصول فضیلت ہے، اس کے وقوع و قیام میں فرد کی آزادی اور زیادہ محدود ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتی ہے۔عورت عقد نکاح میں اس امر میں یقیناً کامل آزادی کی حامل ہے کہ وہ اپنے سے وابستہ جنسی تمتع کسی مرد کی ملکیت میں دیتی ہے یا نہیں دیتی مگر عورت کے انتخاب میں اولیاء و ورثاء کو کاملاً نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔قبل از عقد نکاح عورت کے اولیاء و ورثاء اور ہوتے ہیں، بعد از عقد نکاح عورت کے اولیاء و ورثاء دوسرے بھی ہو جاتے ہیں۔عورت کا انتخاب درحقیقت ولایت و وراثت کی تخلیق جدید اور تشکیل نو کا عمل ہے، جس میں پہلے اولیاء و ورثاء محو ہوتے ہیں اور نہ معدوم ہوتے ہیں۔ ماقبل اور مابعد کے اولیاء و ورثاء زوجین کے مابین متوازن تعلق کا ہی نہیں باہمی موانست کا سبب بھی ہوتے ہیں۔نشوز و اعراض کی صورت میں دونوں کے اولیاء و ورثاء اصلاح کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔اولیاء و ورثاء سے محروم عورت سے عقد نکاح نہ فقط اخلاقی نیکی ہے بلکہ اہم ترین معاشرتی ضرورت بھی ہے۔ اولیاء و ورثاء سے محروم عورت کا معاشرتی مقام و منصب اولیاء و ورثاء والی عورت جیسا نہیں ہوتا، اس محرومی کا ازالہ عقد نکاح کے سوا کچھ نہیں ہے۔اولیاء و ورثاء کی محرومی کے احساس سے عورت نفسیاتی اعتبار سے فقط عقد نکاح سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔احساس تحفظ سے محروم عورت جن معاشرتی مسائل و مشکلات کا باعث بنتی ہے، اجتماعی زندگی بسا اوقات ان کی متحمل بھی نہیں ہوتی۔ آزادی نسواں اولیاء و ورثاء سے محرومی کا نام ہے تو نفسیاتی دباؤ اور جذباتی الجھاؤ جیسی امراض سے عورت کبھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔

عقد نکاح انسانی حقوق کے بجائے صنفی حقوق سے تعلق رکھنے والی فضیلت ہے، انسانی حقوق، صنفی حقوق کا پیش خیمہ ہیں نہ نا خسانہ ہیں اور اسی طرح صنفی حقوق کا مبدا و منبع نوع انسانی کے ساتھ خاص حقوق کبھی نہیں ہوسکتے۔مرد کو مرد ہونے کی بنیاد پر جو حق حاصل ہے وہ عورت کو کبھی حاصل نہیں ہوسکتا اور جو حق عورت کو عورت ہونے کی بنا پر میسر ہے مرد اس کا استحقاق کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ عقد نکاح کی طرح میراث میں مرد اور عورت کے حصہ کا تعین انسانی حقوق کے بجائے صنفی حقوق سے تعلق رکھتا ہے۔لھن مثل الذی علیھن عورت کے صنفی حقوق و فرائض کے متعلق ہے۔نوع انسان کے مشترک حقوق میں جس طرح عورت اور مرد کی تقسیم بے معنی ہے، صنفی حقوق میں مرد اور عورت کی مساوات اسی طرح لایعنی ہے۔عقد نکاح میں عورت سے وابستہ جنسی تمتع مباشرت تک محدود ہوتا تو بقائے نسل کی آرزو مرد کی فطرت میں یوں جاگزیں نہ ہوتی۔ جنسی تمتع کے اعتبار سے ''مباشرت'' مرد اور عورت دونوں کے لیے کشش کا باعث ہے، بایں ہمہ عقد نکاح سے عورت سے وابستہ جنسی تمتع مرد کی ملکیت قرار پاتا ہے لیکن مرد سے وابستہ جنسی تمتع عورت کی ملکیت نہیں بنتا۔

''حجاب'' عورت کے صنفی فرائض سے تعلق رکھتا ہے، جس کے ذریعے سے وہ اپنی حفاظت کرتی ہے۔ جس طرح مر[illegible] پوشی [illegible] عورت [illegible] اسی طرح حجاب واجب ہے۔ مرد اور عورت اپنی اپنی جسمانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساخت کے مطابق ستر پوشی کا اہتمام نہ کریں تو عقد نکاح سے قبل اور بعد صنفی فرائض کی انجام دہی کے مکلّف متصور ہی نہیں ہونگے۔ جس لباس سے مرد کی ستر پوشی ممکن ہے، اس لباس میں عورت کی ستر پوشی ناممکن ہے۔ زیب و زینت انسان کی ضرورت ہے اسے بالا ہتمام اختیار کرنا ناروا عمل نہیں ہے مگر زیب و زینت کا اہتمام ستر پوشی کے تقاضوں کے منافی ہو تو اسے کبھی مستحسن نہیں سمجھا جا سکتا۔ ستر پوشی زیبائش سے زیادہ بڑی اور زیادہ لائق التفات ضرورت ہے، اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔ وقـــرن فـــی بیـــوتـــکـــن بالذات مطلوب فضیلت نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے یہ تقاضا ہی نہ کیا جاتا۔ عقد نکاح کے بعد مرد وعورت کی بے حجابی دراصل حجاب ہی کی توسیع ہے۔ غض بصر بے لباسی کا علاج نہیں ہے، بے حجابی سے اعراض ہے۔ نکاح سے قبل و بعد مرد پر ستر پوشی اور عورت پر حجاب یکساں واجب التعمیل ہے، دونوں میں شرم وحیا، غیرت وعفت اور پاکیزگی وطہارت فقط اسی طرح قائم رہ سکتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ مرد کے لیے ستر پوشی اور عورت کے لیے حجاب ''حکم اللہ'' ہے، تہذیب وتمدن کی معاشرتی روایت سے تعلق رکھنے والا رواج نہیں ہے، مرد اور عورت کو انہیں محض اس لیے اختیار کرنا ہے کہ یہ ''حکم اللہ'' ہے۔ ستر پوشی اور حجاب کو بالا رادہ اختیار نہ کرنے والوں سے عقد نکاح کی حرمت اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ انہیں فقط حکم اللہ سمجھ کر اختیار کرنا ضروری ہے۔

عقد نکاح میں عورت اپنے سے وابستہ جنسی تمتع کا حق مرد کو پیش کرتی ہے اور مرد اس پیش کش کو ''مہر'' کے عوض قبول کرتا ہے۔ عقد نکاح میں عورت فریق ایجاب اور مرد فریق قبول ہے، اشیاء کے بیع وشریٰ میں اور مرد وعورت کے عقد نکاح میں واضح فرق ہے۔ عورت عقد نکاح میں منفعل اور صائن وامانت دار فریق ہے جبکہ مرد فعال اور معتمد فریق ہے۔ اشیاء کے بیع وشریٰ میں فریقین میں ملکیتوں کا تبادلہ ہوتا ہے، عقد نکاح میں اگرچہ عورت سے وابستہ جنسی تمتع عورت کی ملکیت سے خارج ہو جاتا ہے اور ''مہر'' کے طور پر ادا کی جانے والی رقم مرد کی ملکیت سے خارج ہوتی ہے، تاہم عورت سے وابستہ جنسی تمتع مرد کی ایسی کامل ملکیت نہیں جسے وہ فروخت بھی کر سکے، جبکہ ''حق مہر'' کے طور پر لی جانے والی رقم عورت کی کامل ملکیت ہوتی ہے۔ عقد نکاح برابری کی بنیاد پر کیا جانے والا معاہدہ نہیں ہے جس میں فریقین کے مابین معاملے میں فرائض وحقوق مساوی ہوں۔ عقد نکاح میں مرد کے حقوق وفرائض الگ ہیں اور عورت کے حقوق وفرائض جداگانہ ہیں۔ مرد اور عورت عقد نکاح کے ذریعے سے جن حقوق کے مالک اور جن فرائض کے پابند ہوتے ہیں ان کا مساوی ہونا ناممکن ہے۔ عقد نکاح مرد اور عورت دونوں کے نئے حقوق وفرائض کی تشکیل کا باعث بنتا ہے، یہ ایسے حقوق وفرائض ہیں جو عقد نکاح سے قبل ممکن نہیں ہوتے۔ عقد نکاح سے قبل اور بعد اپنی اپنی حفاظت کرنا مرد اور عورت دونوں پر واجب ہے، مگر بعد از عقد نکاح عورت کی ذمہ داری فقط اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حفاظت نہیں ہے، ''رحم'' کی حفاظت بھی اس کے فرائض میں شامل ہوجاتی ہے۔عقد نکاح کے بعد مباشرت سے ''رحم'' میں تخلیق حیات کا عمل شروع ہوتا ہے، عورت پر اس کی حفاظت اس قدر لازم ہے کہ ''رحم'' میں تصرف کی وجہ سے ہونے والا انقصان ''قتل جان'' تصور کیا گیا ہے۔

عقد نکاح میں عورت سے وابستہ جنسی تمتع کی حلال ہونے کا جواز حق مہر میں دے جانے والے ''ٹکے'' نہیں ہوتے، بلکہ اس کے جواز کی اصل علت ''للّٰہیت'' ہے۔عورت سے وابستہ جنسی تمتع مرد پر اللہ کے نام پر حلال ہوتا ہے اور اللہ کے نام پر عورت مرد کو اپنے اوپر حکم بناتی ہے۔عقد نکاح کے تمام عقلی جواز کسی نہ کسی منطقی مغالطے کا شکار ہوتے ہیں یا کسی نہ کسی مغالطے کی زد میں ہوتے ہیں۔جنسی میلان کی تسکین کی جستجو فطری اور عقد نکاح اس میلان تسکین پر قانونی حصن ہے، اللہ کے حضور جوابدہی کا احساس اس قانونی حصن کو انسانی طبائع کے لیے قابل قبول بناتا ہے۔ محصن اور مسافح مرد کے درمیان جس طرح عقد نکاح حد فاصل ہے، محصنہ اور مسافحہ عورت کے درمیان بھی حد فاصل عقد نکاح ہے۔عقد نکاح کے حصن میں رہتے ہوئے جنسی تسکین کی جستجو شہوت رانی کے اس میلان سے کوئی تعلق نہیں رکھتی جو عقد نکاح کے بغیر اس باب میں اختیار کی جائے یا کی جاسکتی ہے۔وہ مرد محصن ہے جو جنسی میلان کی تسکین اپنی منکوحہ یا منکوحات کے ذریعے سے حاصل کرتا ہے، وہ عورت محصنہ ہے جو جنسی میلان کی تسکین اپنے شوہر کے ذریعے سے حاصل کرتی ہے۔مرد اور عورت کی پاک دامنی یا عفت کا قیام و بقا عقد نکاح کے حصن سے مشروط ہے اور جنسی میلان کے تسکین یافتہ ہونے یا نہ ہونے سے نہیں ہے۔عقد نکاح کے حصن سے وراء جنسی میلان کا تسکین یافتہ ہونا ''مسافحت'' ہے چاہے وسیلہ کچھ بھی ہو۔پاکدامنی یا عفت اور مسافحت کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔

عقد نکاح ایک دینی اور معاشرتی قدر یا فضیلت ہے، اس کے ذریعے سے تشکیل پانے والا تعلق مرد و عورت کا فقط انفرادی معاملہ نہیں، اجتماعی قبولیت کا حامل انفرادی معاملہ ہے۔اجتماعی قبولیت کے حامل انفرادی معاملات الوہی اجازت کے حامل نہ ہوں تو دینی معاشرت میں انہیں کوئی حیثیت دینا ممکن نہیں ہوتا۔عقد نکاح الوہی اجازت کی حامل اجتماعی فضیلت ہے۔الوہی سند سے محروم انفرادی معاملات اجتماعی قبولیت رکھنے کے باوجود دینی معاشرت میں انسانی اقدار میں شامل نہیں ہوسکتے۔مرد کا عورت کی شخصیت میں اور عورت کا مرد کی شخصیت میں دلچسپی لینا یا عورت کا مرد کی طرف اور مرد کا عورت کی طرف مائل ہونا، جس قدر انسانی اختیار میں واقع ہونے مظاہر فطرت سے تعلق رکھتا ہے اتنا فطری یا انسان کے اختیار سے خارج میلانات میں سے نہیں ہے۔جنسی میلان کا غیر معمولی تجاوز جس طرح متوازن شخصیت کا مظہر نہیں اسی طرح مرد کا کسی عورت اور عورت کا کسی مرد میں غیر معمولی دلچسپی میں پڑ جانا اور لینا بھی غیر متوازن شخصیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مظہر ہے۔ عقد نکاح کے بغیر مرد اور عورت کے جنسی اختلاط میں معاون ماحول سے اعراض نہ فقط اجتماعی زندگی کی مشکلات کو کم کرتا ہے بلکہ خود مرد و عورت کے شخصی رجحانات کو بھی اعتدال کی راہ پر قائم رکھتا ہے۔ عقد نکاح کے بغیر جنسی اختلاط کے لیے معاون ماحول سے اعراض دینی معاشرت کی اجتماعی فضیلت ہے۔ الوہی استناد کی حامل اس فضیلت سے اعراض کی تمام صورتیں جہاں دینی معاشرت کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہیں وہاں عقد نکاح کے انسانی فضیلت ہونے کی بھی نفی ہے۔

عقد نکاح محض جنسی اختلاط کے لیے مرد و عورت کی باہمی رضامندی کا نام نہیں ہے اور نہ ہی مرد و عورت کا جنسی اختلاط کے لیے ایک دوسرے پر قانع رہنے کا معاہدہ ہے۔ جنسی اختلاط میں باہمی رضامندی اور ایک دوسرے پر قانع رہنے کا عہد و معاہدہ عقد نکاح کی مثل ہے اور نہ اس کا بدل ہے۔ عقد نکاح سے قبل یا عقد نکاح کے بغیر جنسی اختلاط باہمی رضامندی سے ہو یا بالجبر ہو، ایک دوسرے پر قانع رہنے کے معاہدے کے ساتھ ہو یا بغیر عہد و معاہدے کے ہو، رحم کی حفاظت کی ضمانت کے ساتھ ہو یا رحم کی حفاظت کی ضمانت کے بغیر ہو، کسی معاوضے کے بدلے میں ہو یا بغیر عوض کے ہو، سب یکساں نوعیت کے حامل ''جرائم'' ہیں۔

عقد نکاح الوہی، دینی فضیلت ہے، اس کے بغیر جنسی تمتع سے متعلق تمام قسم کی ذمہ داریاں اور ضمانتیں فقط غیر قانونی نہیں ہیں بلکہ اعانت جرم، فروغ جرم اور کفالت جرم ہیں۔ مرد و عورت کی عقد نکاح میں باہمی رضامندی اور شے ہے اور جنسی اختلاط میں باہمی رضامندی بالکل مختلف شے ہے، یہ دونوں ایک طرح کی رضامندیاں نہیں ہیں۔ اسی طرح سے عقد نکاح کے نتیجے میں جنسی اختلاط کے لیے ایک دوسرے پر قناعت کرنا اور شے ہے اور بغیر عقد نکاح اس قناعت کی پابندی کرنا اور شے ہے، دونوں صورتوں میں جنسی اختلاط کی قناعت کے ایک معنی نہیں ہیں۔ عقد نکاح سے تخلیق ہونے والے تمام رشتے فقط عقد نکاح سے مشروط ہیں، بغیر عقد نکاح باہمی رضامندی پر مبنی جنسی اختلاط سے وہ رشتے نہ وجود میں آتے ہیں اور نہ اخلاقی اور قانونی حقوق کے حامل ہوتے ہیں۔ عقد نکاح جنسی تمتع پر مقدم ہو تو یہ انسان کی قوت ارادی کے مضبوط ہونے اور فضائل پر مبنی شخصیت کا مظہر ہے اور جنسی اختلاط بلا قید وجود میں آئے تو یہ انسان کی قوت ارادی کے فقدان کی علامت ہے اور خواہش پرست ہونے کا مظہر ہے۔ طبعی خواہشات، جبلی داعیات اور نفسانی تقاضے انسان کے شعوری مطالبات پر حاوی ہو جائیں تو انسان اور حیوان کا فرق ختم ہو جائے۔

عقد نکاح سے انحراف اور اعراض درحقیقت منضبط و منقاد جنسی اختلاط سے انحراف اور اعراض ہے۔ جنسی اختلاط بغیر عقد نکاح باہمی رضامندی سے ہو یا بالجبر بہر حال جرم ہے البتہ ''بالرضا'' زیادہ سنگین جرم اس لیے ہے کہ ارتکاب جرم کے وقت فریقین قانون شکنی میں مبتلا ہوئے ہیں اور ''بالجبر'' میں ایک فریق جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور دوسرا شریک جرم نہیں ہے۔ عقد نکاح محض مرد و عورت کی جنسی تسکین کا وسیلہ نہیں ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن شرائط سے یہ مشروط ہے، وہ شرائط بعض انتہائی اہم معاشرتی اقدار کی ضامن ہیں اور محافظ ہیں۔ عقد نکاح کے انعقاد کی پہلی شرط ''جوازِ محل'' ہے، ہر مرد ہر عورت سے عقد نکاح کا اہل ہے اور نہ محل ہے۔ رضاعت اور عقد نکاح کے نتیجے میں بعض رشتے عقد نکاح کے اہلیت سے خارج ہو جاتے ہیں، ماں اور باپ، بہن اور بھائی وغیرہ ایسے رشتے ہیں جو عقد نکاح یا رضاعت سے وجود میں آتے ہیں اور اسی وجہ سے ایک دوسرے سے عقد نکاح کی اہلیت نہیں رکھتے۔ بلا قید نکاح یہ رشتے وجود میں آتے ہیں اور نہ ایک دوسرے سے عقد نکاح کی اہلیت سے خارج یا محروم ہوتے ہیں۔ ہم جنس نکاح کا اہل ہے اور نہ محل ہے، جنسی تسکین کا ہم جنسی رجحان فطری نہیں ہے، بعض افراد میں مخصوص نفسیاتی الجھاؤ سے یہ میلان فروغ پاتا ہے اور اگر ان نفسیاتی مشکلات کو دریافت کرلیا جائے تو جنسی تسکین کا ہم جنسی میلان کا ملاً نابود ہو جاتا ہے۔ محرمات سے جنسی تسکین کا میلان فطری داعیہ نہیں ہے۔ یہ جس نوعیت کا جرم ہے، اس میں نفسیاتی اسباب کی جستجو خود ایک جرم ہے۔ باپ اور بیٹی اور بہن اور بھائی وغیرہ کا جنسی اختلاط فی نفسہٖ اتنا بڑا جرم ہے کہ اسباب ارتکاب کے پیش نظر اس کی شدت میں کمی آسکتی ہے اور نہ اس جرم کی سنگینی بڑھ سکتی ہے۔

دینی فضائل کی ماہیت اس سے بہت بلند ہے کہ ان کے جواز کی سند ''وحی خداوندی'' سے باہر تلاش کی جائے۔ عقد نکاح دینی فضیلت ہے، وحی خداوندی سے سند یافتہ ہے، اس کے حق ہونے کی یہی دلیل ہے اور یہی سند ہے۔ انسان کی فطرت وہ نہیں ہے جسے انسان خود اپنی ذات کے نفسیاتی تجزیے و تحلیل سے دریافت کرتا ہے، انسان کی فطرت وہی ہے جسے وحی بیان کرتی ہے۔ نفسیاتی تجزیے و تحلیل سے دریافت شدہ انسانی فطرت اور علم بالوحی کی رو سے انسان کی فطرت میں وہی فرق ہے جو حقائق کے ادراک میں انسانی علم اور علم اللہ میں فرق ہے۔ شعور حقائق میں علم اللہ اور انسانی علم ایک درجے اور مرتبے پر نہیں رکھے جاسکتے، تو انسانی فطرت کی نسبت انسان کا ذاتی ادراک اور علم بالوحی ایک درجے اور مرتبے پر کیونکر آسکتے ہیں؟ عقد نکاح سے اعراض و انحراف کا جواز فطرت انسانی کے اس شعور سے سند یافتہ ہو جو نفسیاتی تجزیے و تحلیل سے تشکیل پاتا ہے تو اسے انسانی ماننا اس لیے ممکن نہیں کہ وہ علم اللہ کا مخالف تصور ہے۔

جنسی اختلاط سے انسان کو روکنا نہ درست ہے اور نہ ممکن ہے، البتہ جنسی اختلاط کو منضبط اور منقاد بنانا درست بھی ہے اور ممکن بھی ہے۔ عقد نکاح کے بغیر جنسی اختلاط نہ منضبط و منقاد ہو سکتا اور نہ بنایا جاسکتا۔ بے ضبط و بے قید جنسی اختلاط جہاں بے شمار معاشرتی اور معاشی مشکلات کا سبب ہے وہاں غیر معمولی نفسیاتی مسائل کی جنم بھومی بھی ہے۔ انسانی بنیادوں پر بے قید جنسی اختلاط کا جواز ممکن نہیں ہے، حیوانی طرز حیات پر انسان زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتا۔ دینی بنیادوں پر عارضی اور بے قید جنسی اختلاط میں کوئی فرق اس لیے نہیں ہے کہ عارضی اور بے قید جنسی اختلاط محصنین و محصنات کا طرز عمل نہیں ہے مسافحین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و مسافحات کی روش ہے اور ''دین'' اس تعلق کو حصن میں رکھنا چاہتا ہے، محض شہوت رانی نہیں بنانا چاہتا۔ موقت، مشروط اور بے قید جنسی اختلاط ممکن ہوتا تو قتل اولاد ''دین'' میں جرم قرار نہ پاتا۔ جنسی اختلاط محض لذت اندوزی تک محدود ہوتا اور کسی نتیجے کا حامل نہ ہوتا تو عقد نکاح کے موقت اور مشروط ہونے کا جواز فراہم کرنا بھی ممکن ہوتا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ عقد نکاح سے وابستہ ذمہ داریاں اس لذت و مسرت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں جو جنسی اختلاط سے عارضی طور پر وجود میں آتی ہیں۔ عقد نکاح اور اس سے وابستہ ذمہ داریاں، زہر میں امرت کا مزہ نہ ہوتا تو رشتوں کی باہمی کشش اور تقدس فطری داعیہ کی صورت اختیار ہی نہ کرتا۔

عقد نکاح سے مرد وعورت کے مابین جائز جنسی اختلاط کی راہ ہموار ہو جاتی ہے، جنسی عمل سے جنین میں نئی انسانی زندگی کی نشو ونما شروع ہو جاتی ہے۔ جنین یا رحم میں تصرف درحقیقت انسانی زندگی میں تصرف ہے۔ جنسی اختلاط کا جائز ہونا اور نہ ہونا اور شے ہے اور جنین میں نئی انسانی زندگی بالکل ہی مختلف شے ہے۔ جنین میں فروغ پانے والی زندگی کا تحفظ، مرد وعورت کا انفرادی فرض ہی نہیں معاشرے کا اجتماعی فرض بھی ہے۔ جنین میں فروغ پانے والی زندگی جائز جنسی تعلق کا نتیجہ ہو یا ناجائز جنسی اختلاط کا، بہر حال اس کو ضائع یا تلف کرنا عمداً یا بالارادہ قتل نفس سے ہرگز کم نہیں ہے۔ ایک بار رحم یا جنین نطفے کا مستقر بن جائے تو اس کی حفاظت بالکل اسی طرح سے واجب ہے جیسے زندہ انسان کی ہے۔ جائز و ناجائز جنسی اختلاط میں مابہ الامتیاز عقد نکاح ہے مگر جنین میں تصرف جائز و ناجائز جنسی اختلاط سے سوا عمل ہے۔ جنین یا رحم میں فروغِ حیات جنسی اختلاط کا نتیجہ ضرور ہے مگر حیات انسانی فی نفسہٖ مقصود بالذات فضیلت ہے، اس کا ضیاع یا تلف کرنا فی نفسہٖ جرم ہے۔ جائز جنسی اختلاط سے جنین میں تصرف جس طرح حرام ہے بالکل اسی طرح ناجائز جنسی اختلاط سے جنین میں تصرف حرام ہے۔ مانع حمل تکنیکات سے جنین نطفے کا مستقر نہیں بنتی تو اور بات ہے لیکن اگر مانع حمل تکنیکات سے جنین کو نطفے کا مستقر بننے کے بعد ''حمل'' کو تلف کیا جاتا ہے تو یہ قتل عمد کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حیات انسانی کا تقدس جائز طریقے سے وجود میں آنے سے مشروط نہیں، وہ فی نفسہٖ مقدس اور لائق احترام حقیقت ہے۔ ''لو لا علی لھلک عمر'' محض ایک بات نہیں جسے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا گیا ہو، درحقیقت انسان کی زندگی کا تقدس اور احترام اس بیان کا محرک ہے۔ جنین میں نطفے کے استقراء کا پہلا لمحہ، لمحہ حیات ہے اور زندگی کے تمام حقوق کا حامل ہے۔

جنین کا حقیقی تحفظ اور حقیقی تقدس عقد نکاح میں مضمر ہے اور عقد نکاح سے ہی یہ فضائل قائم رہتے ہیں۔ عقد نکاح کے بغیر جنین کا تحفظ و تقدس پامال ہی نہیں ہوتا، قتل نفس کا جرم بھی عقد نکاح کو نظر انداز کرنے سے استخفاف کا شکار ہو جاتا ہے۔ عقد نکاح کے ذریعے سے نہ فقط جنسی زندگی منضبط و منقاد ہوتی ہے، جنین میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصرف سے انسان اولاد کی فطری محبت کی وجہ محفوظ رہتا ہے۔ محفوظ و مامون جنسی زندگی ہر اس انسانی معاشرے حیات انسانی کے مقصود بالذات فضیلت ہونے کا حامل اور داعی ہو اور اگر وہ ایمان بالآخرت کے اصول پر منظم ہو تو جوابدہی کا احساس انسان کو قتل نفس ایسی عظیم معصیت سے محفوظ رکھتا ہے۔ جنین کا ضیاع خفیہ نوعیت کا قتل نفس ہے، جس کے ارتکاب نسبتاً خفیف جرم سمجھا جا سکتا ہے یا پھر اسے بالکل ہی جرم نہیں سمجھا جاتا۔ جنین کے خفیہ ضیاع میں عورت کے فعال ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ جنین کا ضیاع مرد یا عورت کا ''حق'' نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اسقاط حمل کو عورت کا حق سمجھنے کا مطلب عورت کو قتل نفس کا لائیسنس دینا ہے۔ عورت حمل کو غیر ضروری بوجھ فرض کرنا شروع کر دے تو ماں کی ہستی کے ساتھ قائم تقدیس و تامین کا وجود ضائع ہو جاتا ہے۔ عورت معاشرتی دباؤ سے محفوظ رہنے کے لیے ایسا کرتی ہے تو بھی ماں ہونے کی حیثیت سے اس کا یہ عمل جواز کی سند کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ جن معاشروں میں جنین کے تلف کرنے میں قباحت نہیں سمجھی جاتی وہاں سب سے زیادہ جس رشتے کا فقدان ہے وہ والدین کا رشتہ ہے۔ عقد نکاح کے بغیر جنسی تمتع بلا عار ممکن ہو تو جنین کا تقدس اور تحفظ لایعنی ہو جاتا ہے۔ دینی معاشرت میں بلا عار جنسی تمتع اس لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہاں جنین کو حیات انسانی کی کمین گاہ سمجھا جاتا ہے۔ ناجائز جنسی اختلاط سے وجود پانے والی ''اولاد'' دینی معاشرت میں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھی جاتی، اگرچہ والدین کا جرم ''اولاد'' میں منتقل نہیں ہوتا اور نہ ہی ''اولاد'' کے انسانی حقوق معدوم ہو سکتے ہیں۔

عقد نکاح کے اجتماعی مفادات اور نفسیاتی محاسن یقیناً اہم ہیں مگر اس کی قبولیت کا محرک انفرادی یا اجتماعی مفادات و محاسن نہیں ہیں، عقد نکاح خود مقصود بالذات فضیلت ہے۔ وہ امور جو دوسرے مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہوتے ہیں اور خود مقصود بالذات نہیں ہوتے ان میں اہمیت و افادیت کی جستجو ممکن ہوتی ہے۔ مقصود بالذات فضائل تک رسائی کا واحد وسیلہ در حقیقت مقصود کا وہ حصہ ہے جو زمانی اعتبار سے دیگر حصص پر مقدم ہے، اسے وسیلہ قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ محصن اور مسافح کا فرق فقط عقد نکاح سے ممکن ہے تو یہ اس مقصود کا وسیلہ نہیں ہے بلکہ محصنیت کے قیام اور مسافحیت سے اعراض کی شرط مقدم ہے، اسے کسی بھی اعتبار سے ذریعہ یا وسیلہ قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ''محصن'' ہونے کے لیے عقد نکاح ہی کافی نہیں ہے بلکہ عقد نکاح کی مقررہ شدہ الوہی حد سے تجاوز نہ کرنا بھی ضروری ہے۔ ایک وقت میں چار منکوحات سے تجاوز بھی اسی طرح کی ''مسافحیت'' ہے جیسی بغیر عقد نکاح جنسی اختلاط ہے چاہے وجہ کچھ بھی ہو۔ وہ مرد مسافح ہے جو غیر منکوحہ یا چار سے زیادہ عورتوں کو عقد نکاح کے ساتھ شہوت رانی کا ذریعہ بناتا ہے۔ وہ عورت مسافحہ ہے جو اپنی جنسی تسکین کے لیے فقط اپنے شوہر تک محدود نہیں رہتی یا قناعت نہیں کرتی۔ الوہی حدود سے متجاوز رویہ اسی صورت میں اختیار کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے، جب خواہش کی تکمیل کا داعیہ اس ضرورت سے زیادہ ہو جائے جو خواہش کی تکمیل سے وابستہ ہے۔ بھوک ایک روٹی سے ختم ہو سکتی ہے، مگر بھوک مٹانے کا داعیہ اس قدر بڑھا دیا جاتا ہے کہ پورا دستر خواں جب تک نوع بنوع کھانوں سے نہ چن دیا جائے طبعیت میں تسکین نہیں آتی۔ خواہش کی تسکین کا یہ متجاوز رویہ فطری نہیں ہے، نفسیاتی المیہ ہے۔

عقد نکاح فقط منضبط و منقاد جنسی رویہ نہیں ہے، حکم اللہ ہے۔ اسے حکم اللہ سمجھ کر اختیار نہ کیا جائے تو اس کی ہر توجیہ انسان کے شعوری ادراک میں اپنا کوئی نہ کوئی جواز رکھتی ہے۔ حکم اللہ کا شعوری ادراک جس امر کا تقاضا کرتا ہے وہ واجب التعمیل ہوتا ہے، بلا چون و چرا۔ حکم اللہ کے علاوہ میں مقاصد و غایات اور مبادی و محرکات کی دریافت جائز ہے اور بعض اوقات ناگزیر ہوتی ہے۔ حکم اللہ کے مقاصد و غایات اور مبادی و محرکات کی دریافت جائز ہے اور نہ ضروری ہے۔ عقد نکاح اور اس کے متعلقات میں تصرف، ترمیم، اضافہ اور تغیر صرف اور صرف حکم اللہ سے مربوط و مشروط ہیں۔ عقد نکاح جس طرح حکم اللہ کے تحت وجود میں آتا ہے اسی طرح حکم اللہ کے تحت منسوخ ہوتا ہے۔ عقد نکاح کی منسوخی اور بحالی عقل کے ساختہ و پرداختہ تصورات سے ماورا ہے، عقل حکم اللہ کی منسوخی اور بحالی کا کوئی جواز رکھتا بھی ہو تو اس کی حیثیت اس عدم جواز سے زیادہ نہیں ہے جو عقل نے حکم اللہ کی بابت وضع کر رکھا ہے۔

عقد نکاح کی منسوخی ''طلاق'' اور ''خلع'' کہلاتی ہے، ''طلاق'' اور اس کے مضمرات یعنی وقوع کی شرائط پر آئندہ صفحات میں بحث کی جائے گی۔

طلاق:

ایک بار عقد نکاح انعقاد پذیر ہو جائے تو اس کی منسوخی یا فسخ کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت طلاق اور دوسری خلع کہلاتی ہے۔ طلاق کی صورت میں مرد عقد نکاح کو فسخ کرتا ہے اور خلع کی صورت میں عورت عقد نکاح فسخ کراتی ہے۔ طلاق ہو یا خلع دونوں صورتوں میں فسخ نکاح کے بعد عورت عدت پوری ہونے تک دوسرا نکاح کی اہل ہے اور نہ محل ہے۔ طلاق کے ساتھ ہی عورت مرد کے نکاح سے خارج ہو جاتی ہے، مرد اور عورت کے مابین جائز جنسی تعلق ختم ہو جاتا ہے، مطلقہ عورت مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔ طلاق فقط نکاح ختم ہی نہیں کرتی، ان تمام حقوق اور مراعات کو بھی ختم کر دیتی ہے جو عقد نکاح کی وجہ سے فریقین کو حاصل ہوتے ہیں یا ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں۔ عقد نکاح فریقین کی رضا مندی سے وجود میں آتا ہے، مگر طلاق میں فریقین کی رضا مندی ضروری نہیں ہے۔ طلاق اور خلع کسی ایک فریق کا اقدام ہوتا ہے، اگر چہ دونوں کی باہمی رضا مندی سے بھی ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔ طلاق مرد کا حق ہے اور نہ خلع عورت کا حق ہے، ''فسخ نکاح'' ایک ایسا اقدام جس کی پیش رفت عورت کے بجائے مرد کی جانب سے ہوتی ہے۔ عقد نکاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تنفیذ اور تنسیخ دونوں میں مرد فعال اور عورت منفعل فریق ہے۔ مرد اور عورت کے صنفی حقوق و مراعات سے تعلق رکھنے والے ''امور'' انسانی حقوق نہیں ہیں۔ عقد نکاح کی تنفیذ و تنسیخ خالصتاً صنفی حقوق و مراعات سے تعلق رکھنے والا ''امر'' ہے، اسے انسانی حقوق کا درجہ دینا اور اس میں دونوں کو یکساں حقوق و مراعات کا حامل خیال کرنا غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ عورت قیمتاً مرد سے وابستہ جنسی تمتع حاصل نہیں کر سکتی، مرد عقد نکاح کے بغیر عورت سے وابستہ جنسی تمتع قیمتاً نہیں خرید سکتا، عقد نکاح اور اس کے متعلقات اگر انسانی حقوق کی طرح مرد و عورت کے یکساں حقوق و مراعات ہوتے تو انہیں قیمتاً خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہوتا۔

فسخ و نسخ نکاح یعنی طلاق کی پہلی شرط انعقاد و وقوع نکاح ہے، جہاں عقد نکاح واقع ہے اور نہ منعقد ہے وہاں طلاق کا سوال بے معنی ہے۔ طلاق یافتہ عورت دوران عدت میں ''منکوحہ'' نہیں ہوتی ''مطلقہ'' ہوتی ہے، وہ نکاح سے خارج ہو چکی ہوتی ہے، دوران عدت میں مرد فقط نکاح بحال کر سکتا ہے۔ دوران عدت میں عورت طلاق کا محل ہے اور نہ اہل ہے، نکاح کی بحالی کی اہل بھی ہے اور محل بھی ہے۔ دوران عدت میں مرد نکاح بحال کر لیتا ہے تو عورت مطلقہ کے زمرے سے نکل کر منکوحہ ہو جاتی ہے۔ منکوحہ کو طلاق دی جا سکتی ہے، مطلقہ کو طلاق نہیں دی جا سکتی۔ دوسری طلاق کی فقط یہی ایک صورت ہے کہ دوران عدت میں نکاح بحال کر لیا جائے، عدت کے دوران میں نکاح بحال نہیں کیا گیا تو دوسری طلاق کا کوئی امکان نہیں ہے۔ دوسری طلاق دوسری بار نکاح ختم کرتی ہے، تیسری طلاق تیسری بار نکاح ختم کرتی ہے۔ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق فقط اسی صورت میں ممکن ہوتی ہے جب مرد نے پہلی طلاق کے بعد دوران عدت نکاح بحال کر لیا ہے یا بعد از عدت نکاح کر لیا ہے، تیسری طلاق فقط اسی صورت میں ممکن ہوتی ہے جب مرد نے دوسری طلاق کے بعد دوران عدت میں نکاح بحال کر لیا ہے یا بعد از عدت نکاح کر لیا ہے۔ طلاق کے وقوع سے قبل نکاح کا وقوع ناگزیر ہے، طلاق سے نکاح ختم ہو جاتا ہے، اگلی طلاق کا سوال اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب پچھلی طلاق سے فسخ شدہ نکاح پہلے بحال کیا گیا ہو۔

بحالی نکاح یا نکاح پہلی اور دوسری طلاق کے بعد تک ممکن ہے، تیسری طلاق کے بعد نکاح کی بحالی یا نکاح ممکن نہیں ہے۔ تیسری طلاق فقط نکاح ہی ختم نہیں کرتی، مرد اور عورت کو نکاح کا اہل رہنے دیتی ہے اور نہ محل۔ طلاق ''رفع القید'' ہے، نکاح ختم کرتی ہے، پہلی اور دوسری طلاق کے بعد عدت کے دوران میں مرد عورت کی رضا کے بغیر نکاح بحال کر سکتا، عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے، یعنی دوران عدت عورت کی مرضی کے بغیر مرد اسے بیوی نہیں بنا سکتا۔ طلاق کے بعد نکاح خود بخود بحال نہیں ہو جاتا، مرد از خود نکاح بحال نہ کرے، اپنی مطلقہ کو بیوی نہ بنا لے تو دوسری طلاق کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح دوسری طلاق کے بعد مرد از خود نکاح بحال نہیں کرے اور اپنی مطلقہ کو بیوی نہیں بنا لے تو تیسری طلاق کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔جس طرح سے پہلی طلاق نکاح ختم کرتی ہے بالکل اسی طرح دوسری طلاق بھی دوسری بار نکاح ختم کرتی ہے اور اسی طرح تیسری طلاق تیسری بار نکاح ختم کرتی ہے، گویا مرد ایک عورت سے کیے جانے والے نکاح کو دو مرتبہ ختم کر سکتا مگر تیسری مرتبہ نکاح ختم کرنے کی صورت میں عورت مرد کے لیے اور مرد عورت کے لیے مطلقاً حرام ہو جاتے ہیں، ان کے مابین ازدواجی تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ ''مرد'' جب تین مرتبہ ایک عورت سے اپنے جائز ازدواجی تعلق کو ختم کرتا ہے تو عورت کو اپنے آپ پر دائماً حرام کر دیتا ہے۔تیسری مرتبہ نکاح کو ختم کرنا عورت کو ''محرمات'' کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے، اس دائمی حرمت کی انتہا اس وقت ہوتی ہے جب عورت دوسرے مرد سے طلاق یافتہ ہوتی ہے۔

طلاق کے باب میں قدامت پرست فقہی ذہن خود کو دانستہ بے خبر رکھنا چاہتا ہے اور اپنی دانستہ جہالت کے کفارہ کی صلیب پر عامۃ الناس کو کھینچنا چاہتا ہے۔ قدیم نظام تعلیم سے فارغ التحصیل تمام فقہی مسالک و مشارب سے تعلق رکھنے والے نام نہاد علمائے کرام خوب واقف ہیں کہ طلاق رفع القید ہے، عقد نکاح ختم کرتی ہے، بایں ہمہ دوسری طلاق کے منعقد ہونے سے قبل نکاح کی بحالی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ۔تمام فقہی مسالک و مشارب بلا استثناء ایک طلاق کے بعد نکاح بحال کیے بغیر دوسری طلاق منعقد سمجھتے ہیں، ایک مسلک و مشرب ایک مجلس میں تین طلاق کے منعقد ہونے کا حکم دیتا ہے، دوسرا ایک مجلس میں تین طلاق کے منعقد ہونے کی نفی کرتا ہے، دوسری طلاق کے لیے دوسری مجلس ضروری سمجھتا ہے اور تیسری طلاق کے لیے تیسری مجلس ضروری سمجھتا ہے۔دونوں مسالک و مشارب ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق کے انعقاد سے پہلے نکاح کی بحالی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ حیرت ہے کہ طلاق سے نکاح ختم ہوتا ہے اور یہ کام ایک طلاق سے پورا ہو جاتا ہے تو پھر دوسری طلاق آخر کس پر وارد ہوگی؟ طلاق کا محل نکاح ہے اور وہ ایک طلاق کے بعد ختم ہو گیا ہے، دوسری طلاق دوسری بار نکاح ختم کرتی ہے اور تیسری طلاق تیسری بار نکاح ختم کرتی ہے۔دوسری اور تیسری طلاق کے انعقاد کا واحد راستہ دوسری بار اور تیسری بار نکاح کی بحالی ہے۔

معمول بہ فقہ کی رو سے طلاق کا انعقاد نکاح ختم ہونے سے پورا نہیں ہوتا بلکہ عورت جب تک مرد کے نکاح کی اہلیت اور محلیّت سے نکل کر کاملاً اور مطلقاً حرام نہ ہو جائے اس وقت تک گویا طلاق واقع ہی نہیں ہوئی۔فقہی مذاہب کی رو سے طلاق حسن ہو یا طلاق بدعی دونوں صورتوں میں تیسری طلاق تک پہنچنے کے جائز اور ناجائز طریقے بیان ہوئے ہیں۔ایک بار طلاق دینے کے بعد نکاح ختم ہو جاتا ہے، عورت اور مرد کے مابین جنسی تعلق نکاح کی بحالی کے بغیر حرام ہو جاتا ہے، دوسری طلاق کے لیے اگلے طہر کا انتظار اور تیسری طلاق کے لیے تیسرے طہر کا انتظار فقط اسی صورت میں ممکن ہے جب طلاق سے نکاح کے خاتمے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بجائے عورت کو مرد پر مطلقاً حرام کرنا مقصود ہو۔ مروجہ فقہی مسالک و مذاہب کی رو سے طلاق حسن طلاق بدعی کے مقابل آتی ہے، طلاق بدعی ایک مجلس میں تین طلاق اور طلاق حسن تین طہروں میں یکے بعد دیگرے تین طلاقیں دی جاتی ہیں۔ معمول بہ فقہ کے عاملین و حاملین اس وقت تک طلاق کو طلاق ہی نہیں سمجھتے جب تک عورت نکاح سے خارج ہونے کے بعد مرد پر کاملاً اور مطلقاً حرام نہ ہو جائے۔ طلاق ثلاثہ کے بعد عورت سابقہ شوہر کے لیے ماں، بہن اور منکوحہ عورت کی طرح حرام ہو جاتی ہے۔ جس طرح ماں، بہن اور منکوحہ سے نکاح حرام ہے بالکل اسی طرح تین طلاق پا لینے کے بعد سابقہ شوہر سے عورت کا نکاح حرام ہے۔ طلاق ثلاثہ سے اگنے والی حرمت خاص وجہ کا نتیجہ ہے اس لیے ایک خاص شرط کے پورا ہو جانے سے ساقط ہو جاتی ہے۔ تین بار طلاق یا فسخ نکاح کے بعد مرد کی دست برد سے عورت دائمی استخلاص پا لیتی ہے، فقہ کی ناسمجھی نے عورت کے استخلاص کو عورت کا استحصال بنا دیا ہے اور مرد کی دست برد سے نجات پانے کے بجائے اور زیادہ دست نگر بنا دیا ہے۔

پہلی طلاق کے بعد مرد دوران عدت میں نکاح بحال کر سکتا اور عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے یعنی دوران عدت میں عورت کی مرضی کے بغیر اور عدت گزر جانے کے بعد عورت کی مرضی سے نکاح بحال کیا جا سکتا ہے۔ اگر پہلی طلاق کے بعد مرد نکاح بحال کر لیتا ہے یا بعد از عدت تجدید نکاح کر لیتا ہے تو معمول کی ازدواجی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ ازدواجی زندگی کے سفر میں بالفرض پھر کبھی ایسا موڑ آ جاتا ہے کہ مرد ایک بار پھر بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، یہ دوسری طلاق ہوگی۔ دوسری طلاق کے بعد بھی دوران عدت عورت کی مرضی کے بغیر نکاح بحال کیا جا سکتا اور عدت گزر جانے کے بعد عورت کی مرضی سے تجدید نکاح کیا جا سکتا ہے۔ طلاق کے دو واقعات ہو جانے کے بعد تیسری طلاق دی جاتی ہے تو نکاح کی بحالی کی کوئی صورت ہے اور نہ تجدید نکاح کا کوئی امکان ہے۔ تیسری طلاق کے بعد مرد کی چاہت نکاح کی بحالی کوئی معنی رکھتی ہے اور نہ عورت کی مرضی کوئی فائدہ دے سکتی ہے۔

تیسری طلاق کا مطلب تیسری بار نکاح ختم کرنا ہے جس سے مرد و عورت کے مابین دیوار آ جاتی ہے، یہ حرمت کی دیوار ہے، یہ حدود اللہ میں سے ایک حد جس سے تجاوز ممکن نہیں ہے۔ ازدواجی زندگی کے سفر میں مرد اور عورت تین مرتبہ نکاح ایسے عظیم الشان رشتے کو ختم کرتے ہیں تو اس عظیم رشتے کو مزید بازیچہ اطفال نہیں بنا سکتے۔ طلاق ثلاثہ کے بعد یہ رشتہ قائم نہیں ہو سکتا، عورت مرد پر اور مرد عورت پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکے۔ تیسری طلاق کے بعد مرد اور عورت معمول کی حالت سے نکل کر خاص حیثیت اور خاص حالت پر آ جاتے ہیں۔ طلاق خود اگرچہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے مگر تیسری طلاق ہر اعتبار سے بہت زیادہ غیر معمولی واقعہ ہے۔ معمول بہ فقہ طلاق ثلاث کی اہمیت اور وقعت کا اندازہ ہی نہیں کر سکی ورنہ اس باب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں غیر محتاط رویہ کبھی اختیار نہ کرتی۔ طلاق ثلاثہ کے انعقاد میں معمول بہ فقہ کی عجلت سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ''طلاق ثلاثہ'' ہی ہے، ما قبل کی دو طلاقیں ضابطے کی کاروائی ہیں۔ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق سے قبل نکاح کی بحالی یا تجدید نکاح کو نظر انداز کرنے کا رویہ بھی طلاق کی نسبت معمول بہ فقہ کے غیر شعوری ادراک کا آئینہ دار ہے۔ اس غیر شعوری ادراک کا کارنامہ ہے کہ عقد نکاح کی اہمیت و وقعت بھی لایعنی ہو کر رہ گئی ہے اور دو بار طلاق کے ذریعے نکاح فسخ ہو جانے کے بعد نکاح کی بحالی یا تجدید کے جس امکان کو دین نے قائم رکھا ہے وہ بھی معدوم ہو جاتا ہے۔

جائز ازدواجی تعلق کا آغاز عقد نکاح سے ہوتا ہے اور اختتام طلاق پر ہوتا ہے۔ عقد نکاح فریقین کی رضا مندی سے ہوتا ہے مگر تنسیخ نکاح میں مرد حکم فریق ہے، عورت حکم فریق نہیں ہے۔ طلاق یا تنسیخ نکاح میں مرد کی حکمیت دو مرتبہ تک قائم رہتی ہے۔ تیسری مرتبہ تنسیخ نکاح مرد کی حکمیت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیتا ہے۔ تیسری مرتبہ تنسیخ نکاح دراصل جائز اور درست تعلق کو جاری رکھنے میں مانع ہے۔ جن عورتوں پر عدت واجب نہیں تنسیخ نکاح یا طلاق کے باب میں مرد کی حکمیت پہلی طلاق ہی سے ختم ہو جاتی ہے۔

عدت مدخول بہا پر واجب ہے، غیر مدخول بہا پر واجب نہیں ہے، غیر مدخول بہا طلاق یافتہ ہوتے ہی عقد نکاح کر سکتی ہے۔ مدخول بہا عدت میں اور بعد از عدت شوہر کی طرف واپس جانے کی زیادہ مستحق ہے اور ایسی عورت پر شوہر کا استحقاق دوسرے مرد سے زیادہ ہے۔ مرد اور عورت جو ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو چکے، غیرت اور حیا کا تقاضا ہے وہی ازدواج کے رشتے جاری رکھیں۔ طلاق ناگزیر ہو تو عمل میں لائی جاتی ہے، بلاوجہ اور طبعی تسکین کا کھیل نہیں ہے۔ ''طلاق'' عقد نکاح کی طرح مرد کا شعوری اور ارادی فیصلہ ہے، عورت کو اپنی زوجیت میں لینا اور بیوی کو اپنی زوجیت سے خارج کرنا، جذباتی اور ہنگامی نوعیت کا فیصلہ نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ جس طرح شعوری اور ارادی فیصلے کا مطلب عواقب آشنائی نہیں ہوتا اسی طرح جذباتی اور ہنگامی فیصلوں کا مطلب بھی نتائج سے غافل ہو کر کسی کام کو انجام دینا نہیں ہوتا۔ سوچ سمجھ کر عقد نکاح باندھا جاتا ہے اور سوچ سمجھ کر توڑا جاتا ہے، نکاح اور طلاق ایک ہی فعل کے دو متضاد پہلو ہیں، نکاح سے جو رشتہ جڑتا ہے طلاق سے وہی رشتہ منقطع ہوتا ہے۔ عقد نکاح اور خلع جس طرح مرد کے شعوری اور ارادی اعمال ہیں اسی طرح طلاق بھی ارادی اور شعوری عمل ہے۔

معمول بہ فقہ میں طلاق تحریم یا بائن مغلظ مرد کا حق ہے حالانکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ اپنی منکوحہ کو مطلقاً حرام کر لینا مرد در حقیقت اپنے نکاح کی بحالی یا تجدید نکاح کے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ تین بار نکاح فسخ کرنے کے نتیجے میں عورت مرد کی دستبرد سے پوری طرح نکل جاتی ہے، حق نکاح اور حق رجوع اور تجدید نکاح سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ فسخ نکاح یا طلاق ایسا عمل نہیں ہے جسے مرد لامحدود مدت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک بار بار دہرا سکے، اسی طرح بحالی نکاح اور تجدید نکاح ایسے اعمال نہیں ہیں جنہیں مرد و عورت بار بار کر سکیں۔ معیاری دین، معمول بہ فقہ کے نظام معاشرت سے یقیناً مختلف ہے، معیاری دین میں جن امور کو رذائل سمجھا جاتا ہے معمول بہ فقہ میں وہ فضائل بن کر دین کے معاشرتی عمل کو متاثر کرتے ہیں۔ معمول بہ فقہ کی رو سے طلاق مطلقاً ناپسندیدہ عمل ہے، بایں ہمہ ناگزیر ہے، ناپسندیدگی اور ناگزیریت کا تناقض بالکل عیاں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تین بار نکاح فسخ کرنا اور عورت کو دائماً حرام کر لینا یقیناً ناپسندیدہ ہے اور طلاق ثلاثہ کسی اعتبار سے بھی ناگزیر نہیں ہے۔ طلاق تحریم ''حادثاتی عمل'' ہے، ارادی اور منصوبہ بندی سے کیا جانے والا کام نہیں ہے۔ جائز اعمال میں بالاہتمام طلاق تحریم یقیناً ناپسندیدہ عمل ہے۔

دین پر مبنی معاشرے میں عقد نکاح کا انعقاد اور تنسیخ الوہی احکام کے تحت وقوع پذیر ہونے والی ''اقدار'' ہیں۔ عقد نکاح اور طلاق انسان کے وضع کردہ قانون ہیں نہ قانونی ذہن کی آراء ہیں۔ عقد نکاح کا انعقاد اور عقد نکاح کی تنسیخ اللہ کے حکم کی تعمیل کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ عقد نکاح سے مرد عورت سے وابستہ جس جنسی تمتع کا اہل بنتا ہے، طلاق سے اسی اہلیت سے دستبردار ہوتا ہے۔ منکوحہ سے نکاح حرام ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ نکاح تو ہو جاتا مگر ناجائز ہوتا، اسی طلاق شدہ عورت کو طلاق دینا حرام ہے، کا یہ مطلب نہیں کہ طلاق تو واقع ہو جاتی ہے اگرچہ یہ اقدام حرام ہے، جیسا کہ معمول بہ فقہ و شریعہ میں سمجھایا اور پڑھایا جا رہا ہے۔ حکم اللہ کی وضع و تشکیل میں جس طرح انسانی غور و خوض کا کوئی کام نہیں اس کی اتباع و تعمیل کی صورت گری بھی انسانی غور و فکر کا موضوع نہیں ہے۔ معمول بہ فقہ کے ائمہ حکم اللہ وضع نہیں کر سکتے اور نہ اس کی تعمیل میں قانونی یا غیر قانونی مداخلت کر سکتے ہیں۔ معمول بہ فقہ کے حاملین و عاملین کی ذہنی پستی کا یہ عالم ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب ایسے اقدام کے انتساب میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ ''لعب'' فرمایا ہے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف طلاق تحریم کو اللہ کے احکام سے ''لعب'' نہیں سمجھتے بلکہ طلاق تحریم کو باقاعدہ قانون بنا دیتے ہیں اور اپنے دور خلافت میں نافذ کر دیتے ہیں، معمول بہ فقہ میں آج تک عمرؓ کا وہی قانون نافذ العمل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جس اقدام کی نسبت فرمایا ''ا یلعب بکتاب الله و انا بین اظهر کم'' معمول بہ فقہ و شریعہ میں وہ اقدام نہ فقط قابل اعتبار قانونی مفاد کا حامل ہے بلکہ سکہ رائج الوقت بھی ہے۔

معمول بہ فقہ نے طلاق کے وقوع اور ارتفاع کی نسبت جو موقف اختیار کر رکھا ہے، ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے مردود ہے۔ اصولاً یہ امر طے ہے کہ اللہ کے دین میں انسانی رائے کی ادنیٰ ترین مداخلت حرام ہے اور مردود ہے۔ ''دین'' کسی بھی لحاظ سے انسانی رائے قبول کرتا ہے اور نہ کر سکتا ہے اور کسی بھی اعتبار سے انسانی استعداد کے زائیدہ علم کا محتاج اور نہ ہو سکتا ہے۔ ''دین'' اجتہاد کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ اجتہاد سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشکیل پانے والے اوامر ونواہی ''دین'' یعنی منزل من اللہ اوامر ونواہی کا منصب حاصل کر سکتے ہیں۔ انسانی ذہن کے وضع کردہ احکام انسان کی جس ضرورت کو پورا کرتے ہیں منزل من اللہ احکام اس ضرورت کی تکمیل کے لیے نازل نہیں کیے گئے۔ منزل من اللہ احکام جس انسانی ضرورت کی تکمیل کا وسیلہ ہیں وہ ضرورت فقط حکم اللہ کی اطاعت سے ہی پوری ہوسکتی ہے۔ اجماع واجتہاد، قیاس واستحسان اس ضرورت کی تکمیل میں ادنیٰ درجے کا کردار ادا نہیں کر سکتے۔ طلاق کا وقوع وارتفاع حکم اللہ ہے، اجماع واجتہاد اور قیاس واستحسان کا یہاں کوئی کام نہیں ہے۔ معمول بہ فقہ کے حاملین کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ''دین'' انسانی عقل کی تفہیم سے وضع نہیں کیا جا سکتا۔ طلاق کا وقوع وارتفاع اجتہادی احکام کے زمرے میں نہیں آتا، طلاق کے وقوع وارتفاع میں عقل کے وضع کردہ مصالح کوئی معنی نہیں رکھتے۔ حکم اللہ میں انسان کی عقلی مداخلت اسے حکم اللہ رہنے دیتی ہے اور نہ عقلی رہنے دیتی ہے۔ طلاق ''رفع القید'' ہے، نکاح کا خاتمہ ہے، دوسری طلاق دوسری مرتبہ نکاح کا خاتمہ ہے اور تیسری طلاق تیسری مرتبہ نکاح کا خاتمہ ہے۔ پہلی طلاق اور دوسری طلاق تک امساک بالمعروف او تسریح باحسان ممکن ہے مگر تیسری طلاق کے بعد امساک بالمعروف او تسریح باحسان ناممکن ہے۔ ایک طلاق کے بعد نکاح کا خاتمہ ہو چکا ہے، نکاح کی بحالی یا تجدید نکاح کے بغیر دوسری طلاق کا کوئی امکان نہیں ہے، اسی طرح دوسری طلاق کے بعد دوسری بار نکاح کا خاتمہ ہو چکا ہے، نکاح کی بحالی اور تجدید نکاح کے بغیر تیسری طلاق کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہی حکم اللہ ہے۔ یکبارگی تین طلاق کا تصور حکم اللہ نہیں ہے، انسانی ذہن کا اختراع ہے، قیاس ہے، وہم ہے، خیال ہے، اس کا حل جو بھی ہو بہر حال انسانی ذہن کا وہم ہے، قیاس ہے، خیال ہے، اجتہاد ہے، اختراع وافتراء ہے، دین نہیں ہے۔

مرد اور عورت کے مابین جس تعلق کی بنیاد ''حکم اللہ'' ہے، اس کے ارتفاع وتنسیخ کی بنیاد بھی حکم اللہ ہی ہوسکتا اور انسانی حکم کبھی نہیں ہوسکتا۔ عقد نکاح اگر اللہ کا حکم ہے تو طلاق بھی اللہ کا حکم ہے، اجماع واجتہاد عقد نکاح کی بنیاد ہیں اور نہ فسخ نکاح میں اجماع واجتہاد کو کوئی دخل ہے۔ دینی معاشرت اور غیر دینی معاشرت میں فرق وامتیاز کی حدود ''حکم اللہ'' اور انسانی حکم کی تقسیم سے قائم ہوتی ہیں اور مستحکم رہتی ہیں۔ عقد نکاح غیر دینی معاشرت میں مرد وعورت کا باہمی معاہدہ ہو یا جنسی تسکین کا عارضی معاملہ ہو، ''حکم اللہ'' کی تعمیل یا امتثال امر بہر حال نہیں ہے، دینی معاشرت میں یہ حکم اللہ کی تعمیل یا امتثال امر کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اجماع واجتہاد کے موضوعات اور ہیں، ''حکم اللہ'' اجماع واجتہاد کا موضوع کبھی نہیں بن سکتا۔ یاد رکھنا چاہیے، غلط موقف کو اختلاف رائے کا درجہ دینا درحقیقت حق کی توہین کرنا ہے اور باطل کی تعظیم کرنا ہے۔ انسان کا یہ منصب نہیں کہ وہ حکم اللہ کی تعمیلی ہیئت کی تشکیل خود وضع کر سکے، اس لیے نکاح وطلاق کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعمیلی ہیئت اجماع واجتہاد کا کبھی موضوع نہیں بن سکتی۔

خلع عورت کا حق نہیں، اختیار ہے اسی طرح طلاق مرد کا حق نہیں، اختیار ہے۔عقد نکاح منسوخ کرنے کے یہ دو طریقے ہیں۔طلاق اور خلع معمول کے اقدام نہیں ہیں، انتہائی صورتوں میں جائز اور بعض اوقات ناگزیر ہو سکتے ہیں۔طلاق اور خلع عقد نکاح کی طرح قبولیت عامہ رکھنے یا حاصل کرنے والے عمومی اقدام نہیں ہیں۔عقد نکاح کو عام کرنا اور آسان بنانا، دینی معاشرت میں ناگزیر ہے، طلاق اور خلع کو عام کرنا اور آسان بنانا کسی طرح جائز اور قابل قبول نہیں ہے۔نکاح کرنا پسندیدہ عمل ہی نہیں واجب التعمیل حکم ہے۔

طلاق قانونی اعتبار سے ناجائز اقدام نہیں ہے تاہم ناپسندیدہ عمل ہے مگر طلاق تحریم تک اس عمل کو جاری رکھنا ناپسندیدہ نہیں انتہائی ناپسندیدہ ہے۔طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ عمل خلع ہے اگرچہ جائز ہے تاہم اس کی شناعت طلاق تحریم سے کم نہیں ہے۔ایک دینی معاشرت میں جس طرح نکاح عام اور آسان ہوتا ہے طلاق اور خلع اسی طرح عام اور آسان نہ ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔طلاق اور خلع کو عام اور آسان بنانے کی ہر کوشش درحقیقت اہل ایمان میں بے حیائی اور فحاشی کو عام اور آسان بنانے کی کوشش ہے۔ایسے اقدام کی پشت پناہی کے بجائے حوصلہ شکنی ضروری ہے جن سے دینی معاشرت میں انتشار وافتراق کو فروغ ملتا ہے۔ دینی معاشرت عقد نکاح سے قائم اور باقی رہتی ہے، اسے دائماً قائم رکھنا اور خاتمے کے حالات واسباب کا سد باب کرنا، دینی معاشرت کے اولین فرائض میں شامل ہے۔طلاق اور خلع دینی معاشرت کے قیام وبقا کے سلبی اقدام ہیں، ایجابی اقدام ہرگز نہیں ہیں۔طلاق اور خلع درحقیقت عدم برداشت اور بردباری اور حلم کے منافی اعمال ہیں، اس کے برعکس عقد نکاح برداشت، بردباری اور حلم کا بہترین مظہر ہے۔انسان کی قوت برداشت کا امتحان مقصود نہیں تاہم اس کا مظاہرہ فضا میں معلق ہوتے ہوئے نہیں کیا جا سکتا۔بعض باہمی تعلقات میں انتہائی حساس اور لطیف جذبات زندگی کا لہو بن کر گردش کرتے ہیں، غیرت، عزت اور عفت جن کا بھرم ہے، عقد نکاح انہیں جذبات سے قائم ہوتا ہے اور انہی باقی رہتا ہے اور طلاق اور خلع ان کی نفی سے پھوٹتے اور پنپتے ہیں۔

عقدِ نکاح ایک ایسی فضیلت ہے جو ہر حالت اور ہر صورت میں ناگزیر ہو سکتی ہے، طلاق اور خلع اس کے برعکس ایسے اقدام ہیں جو مخصوص حالات اور مخصوص صورتوں میں ناگزیر ہوتے ہیں۔عقد نکاح اور طلاق یا خلع پہلو بہ پہلو جاری رہنے والے معاشرتی اقدار نہیں کہ ہر عقد نکاح کا انجام کار طلاق یا خلع ہی ہو۔طلاق اور خلع ایسی معاشرتی ضرورتیں ہیں جو معاشرتی رذائل کی ساری قباحتیں اپنے پہلوؤں میں لپیٹے ہوئے ہیں۔معمول بہ فقہ معاشرتی رذائل کا سد باب کرتے کرتے ایک اور مفسدہ کا دروازہ کھول دیتی ہے۔طلاق تحریم تک طلاق دیتے چلے جانا نہ عقل مندی ہے اور نہ معاشرتی احتیاج ہے۔طلاق سے عقد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکاح کا خاتمہ مقصود ہے تو وہ پہلی طلاق سے ہو جاتا ہے، عورت کو ابداً اپنے پر حرام کرنا مقصود نہیں ہے۔ طلاق دینا اور پھر نکاح بحال کر لینا یا تجدید نکاح کر لینا، ایک دفعہ ممکن ہے اور دوسری مرتبہ ممکن ہے مگر تیسری مرتبہ ممکن نہیں ہے۔

اللہ کے دین میں انسانی غور و فکر سے مداخلت کرنا اور منزل من اللہ احکام میں قیاس و اجتہاد سے ترمیم و اضافہ کرنا، کسی طور سے جائز ہے اور نہ ممکن ہے۔ اجماع، اجتہاد و قیاس کی وجہ جو بھی بیان کی جائے ان کے ذریعے سے منزل من اللہ احکام میں ادنیٰ سی کمی و بیشی دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں دے سکتی۔ معمول بہ فقہ کے غیر محتاط اور ناعاقبت اندیش حاملین و قائلین بہت سے موضوع روایات عمرؓ کی طرف بغیر سوچے سمجھے منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ وہ بداہتاً من گھڑت ہوتی ہیں۔ عمرؓ کی طرف منسوب موضوعات میں سے ایک بیک وقت تین طلاق کا انعقاد ہے جو نہ صرف منزل من اللہ احکام کے صراحتاً خلاف ہے عقلاً بھی محال ہے۔ حیران کن یہ ہے کہ عمرؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ انہیں اپنے جن فیصلوں پر بعد کو پچھتاوا رہا ان میں ایک بیک وقت تین طلاق کے انعقاد کا فیصلہ شامل ہے۔ سوال یہ ہے اللہ کے دین میں ایسی کسی مداخلت کا کوئی انسان مجاز ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں مذکور ماقبل موضوع روایت میں عمرؓ سے اپنے اس حکم کی وجہ یا علت یہ بیان کی گئی ہے کہ "لوگ طلاق دینے میں عجلت سے کام لے رہے ہیں" بالفرض یہی علت ہو تو کیا تین طلاق کا بیک وقت انعقاد لوگ کی اس عجلت کا حل متصور ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں طلاق کا مطلب نکاح کا خاتمہ ہے دوسری طلاق کا مطلب دوسری بار نکاح کے خاتمے کے سوا اور کیا ہے؟ اور تیسری طلاق کا مطلب تیسری بار نکاح کے خاتمے کے سوا کیا ہے؟ اگر تین مرتبہ نکاح کا خاتمہ نہیں ہوتا تو تین طلاق کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ ہر طلاق کے بعد نکاح از خود بحال ہوتا ہے اور نہ از خود اس کی تجدید ہوتی ہے، دو طلاق تک نکاح کو بحال کیا جائے گا یا پھر بعد از عدت نکاح کی تجدید کرنا ہوگی، ورنہ طلاق کے بعد نکاح کا خاتمہ ہو جاتا ہے، مزید کسی شے کی ضرورت نہیں، نہ طلاق کی اور نہ کسی ایسے اقدام کی جس سے طلاق کی تعداد میں اضافہ ہو۔ نکاح موجود نہیں تو طلاق ممکن نہیں، طلاق اسی صورت میں ممکن ہے جب نکاح موجود ہے۔

دین اور غیر دین کے شعور سے انسانی ذہن عاری ہو جائے تو غیر دین کو زیادہ حقیقی دین سمجھنے کی مرض میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انسان کا متقی، متدین اور صالح ہونا اس کے غور و خوض کو دین کا درجہ نہیں دے سکتا۔ دین انسانی غور و خوض کی صفت کبھی نہیں بن سکتا، دین دائماً و ابداً منزل من اللہ ہوتا ہے۔ دین فقط وحی شدہ ہے، غیر وحی سو فی صد درست اور حق بجانب بھی ہو تو دین نہیں ہوتا۔ دین انسانی غور و فکر کے درست ہونے کا نام نہیں ہے، دین "علم بالوحی" ہے اور بس۔ جس نے دین "علم بالوحی" کے سوا میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دریافت کیا ہے وہ دشمن خدا ہے، جھوٹا ہے، کاذب ہے، کذّاب ہے۔

حلالہ:

نکاح اور طلاق کی طرح ''حلالہ'' دینی اصطلاح نہیں ہے، معمول بہ فقہ کی اصطلاح ہے۔ تین طلاق یافتہ عورت ''مرد'' پر حرام ہو جاتی ہے، عورت سے وابستہ اس حرمت کا اختتام جس صورت حال سے ہوتا ہے، اسے حلالہ کہا جاتا ہے۔ مرد نے بیوی کو طلاق دی دوران عدت میں نکاح بحال کر لیا یا عدت کے بعد تجدید نکاح کر لیا۔ ازدواجی زندگی میں کبھی پھر تلخی اور ناگواری طلاق تک پہنچ جاتی ہے اور ''مرد'' بیوی کو دوسری طلاق دے دیتا ہے، دوسری طلاق کے بعد بھی دوران عدت نکاح بحال کر لیتا ہے یا بعد از عدت نکاح کی تجدید کر لی جاتی ہے۔ دو مرتبہ نکاح کیا گیا ہے اور دو مرتبہ اس کا خاتمہ کیا گیا ہے یعنی دو مرتبہ طلاق دی گئی ہے۔ دوسری مرتبہ نکاح کی بحالی کے بعد تیسری طلاق اگر دی جائے تو نہ نکاح بحال کیا جا سکتا ہے اور نہ تجدید نکاح ممکن ہوتی ہے۔ تیسری طلاق کے بعد عورت مرد پر فقط حرام نہیں ہوتی بلکہ نکاح کا محل ہی نہیں رہتی۔ منکوحہ اور محرمات یعنی ماں اور بہن وغیرھا نکاح کا محل نہیں اسی طرح تین طلاق یافتہ عورت سابق شوہر کے لیے اور سابقہ بیوی مرد کے لیے نکاح کا محل نہیں رہتی۔ تین طلاق کے بعد مرد عورت پر اور عورت مرد پر دائماً حرام ہو جاتے ہیں۔ یہ حرمت ویسی ہی حرمت ہے جیسی کسی کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے، اس عورت سے بھی اسی طرح نکاح حرام ہے۔ اگر چہ تین طلاق یافتہ عورت کسی اور کی منکوحہ نہیں تاہم اس سے سابق شوہر کا نکاح ویسا ہی حرام ہے جیسا کسی منکوحہ عورت سے نکاح حرام ہے۔ تین طلاق یافتہ عورت سے یہ حرمت اس وقت تک قائم رہتی ہے، جب تک وہ کسی دوسرے مرد کی واقعتاً منکوحہ نہیں بن جاتی۔ دوسرے مرد کی منکوحہ بن جانے سے تین طلاق یافتہ عورت سے وابستہ حرمت میں کوئی کمی و بیشی نہیں ہوتی، وہ سابق شوہر پر پہلے بھی حرام تھی اور اب بھی حرام ہے البتہ اگر دوسرا شوہر بھی اس کو طلاق دے دیتا ہے اور دوران عدت نکاح بحال نہیں کرتا تو عدت کے بعد یہ عورت پہلے شوہر سے نکاح کر سکنے کی ویسی ہی اہل ہو جاتی ہے جیسے کسی دوسرے مرد سے نکاح کی اہلیت رکھتی ہے۔

معمول بہ فقہ میں جسے ''حلالہ'' کہا جاتا ہے، دین میں وہ کسی ارادی اور دانستہ عمل کا نام نہیں ہے۔ تین طلاق یافتہ عورت سابق شوہر پر حرام ہو جاتی ہے، اس حرمت کی انتہا دوسرے مرد سے طلاق پانے سے ہو جاتی ہے۔ معمول بہ فقہ میں مروج حلالہ کا تصور غلط نہیں ہے، اصل غلطی طلاق کے باب میں واقع ہوئی ہے۔ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق کے وقوع سے قبل نکاح کی بحالی ضروری ہے یا تجدید نکاح کرنا ضروری ہے۔ دوسری طلاق کا مطلب دوسری بار نکاح کا خاتمہ ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے نکاح بحال ہو یا تجدید نکاح ہو۔ معمول بہ فقہ میں یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ دوسری طلاق سے قبل نکاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود بخود بحال ہو گیا ہے، یا مرد بحالی نکاح یا تجدید نکاح کے بغیر بھی دوسری طلاق دے سکتا ہے۔ طلاق یافتہ عورت کو دوسری طلاق دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی راہ چلتی عورت کو بغیر مرد کہہ دے تمہیں طلاق دیتا ہوں۔

حلالہ کرنے یا کرانے کے سلسلے میں معمول بہ فقہ میں جو انذار و ترہیب مروی ہیں، ان کے نادرست ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مگر ان انذار و ترہیب سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حلالہ کرنے اور کرانے کا اندیشہ طلاق کو تین مرتبہ تک محدود کرنے کے قانون کے ساتھ ہی لاحق ہو گیا تھا، حالانکہ حلالہ کرنے اور کرانے کی مشکل فقط اس وقت پیدا ہوتی ہے جب معمول بہ فقہ کے تصور طلاق کو درست تسلیم کرلیا جائے۔ طلاق کو نکاح کا خاتمہ نا سمجھنا اور ایک طلاق کے بعد دوران عدت نکاح بحال کیے بغیر اور بعد از عدت تجدید نکاح کے بغیر دوسری طلاق کا وقوع ہی وہ غلط تصور ہے جس نے ''حلالہ'' کی احتیاج کو لازم کیا ہے۔ نکاح جس طرح عام اور مقبول فضیلت ہے، طلاق اس قدر عام ہو سکتی ہے اور نہ قبولیت حاصل کر سکتی ہے، اسی طرح طلاق کی نسبت خلع اور زیادہ قلیل الوقوع ہے اور جہاں تک ''حلالہ'' کا تعلق ہے تو وہ مذکور ما قبل سے اور زیادہ شاذ ہے اور قلیل الوقوع ہے۔ نکاح، طلاق اور خلع ارادی اعمال ہیں مگر حلالہ ارادی عمل ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ حلالے اور طلاق کو توام بنانے اور دونوں کو یکساں عام بنانے کی سعی نہ فقط نا محمود ہے بلکہ کاملاً مردود ہے۔ طلاق اور حلالہ کو توام بنانے یا یکساں عام کرنے اور بنانے میں معمول بہ فقہ کے تصور طلاق کو بڑا دخل ہے۔ طلاق کے باب میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ معمول بہ فقہ کے حاملین و عاملین ایک طلاق کو طلاق ہی نہیں سمجھتے، ان کی نظر میں جب تک تین طلاقیں نہ دے دی جائیں اس وقت تک گویا طلاق مکمل ہی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں طلاق سنت یعنی مسنون اور جائز طلاق یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک دی جائے اور دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی جائے۔ ان سے کوئی پوچھے آخر دوسرے طہر میں دوسری طلاق کیوں دی جائے؟ اور کیا دوسرے طہر میں دوسری طلاق کے بعد طلاق دینے والے نے نکاح بحال کیا ہے؟ اور اگر نکاح بحال کیا ہے تو محض اس غرض نکاح بحال کرنا کہ دوسری طلاق دینے کے قابل ہو سکے کسی لحاظ اور کسی اعتبار سے جائز ہے؟ اور اگر نکاح بحال نہیں کیا تو کیا خود بخود نکاح بحال ہو جاتا ہے؟ اور اگر نکاح بحال نہیں کیا تو مطلقہ عورت پہلے ہی نکاح سے خارج ہو چکی ہے تو دوسری طلاق کیا محل ہے؟ طلاق نے نکاح ختم کرنا ہے اور یہ کام پہلی طلاق سے ہو چکا ہے۔

''حلالہ'' کرنے اور کرانے کا سوال فقط اس وقت پیدا ہوتا ہے جب طلاق کو غیر ارادی عمل سمجھا جائے اور اس کے وقوع میں نیت کو دخل نہ ہو۔ معمول بہ فقہ میں اگرچہ طلاق اور عقود کے وقوع میں ارادہ تکلم ہی کافی سمجھا جاتا ہے چاہے ارادہ تحقق نہ بھی ہو، گویا طلاق اور عقود فقط ارادہ تکلم سے واقع ہو جاتے ہیں۔ بالفرض ارادہ تکلم سے ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور ارادہ تکلم سے عقد نکاح بھی متحقق ہو جاتا ہے تو ایک طلاق کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد عقد نکاح کی بحالی کے لیے یہی شرط ناگزیر ہونی چاہیے تھی مگر معمول بہ فقہ میں معلوم نہیں دوسری طلاق سے تیسری طلاق تک نوبت اس قدر جلد کیسے پہنچ جاتی ہے؟ دوسری اور تیسری طلاق سے قبل نکاح کی بحالی یا تجدید نکاح کی ضرورت کو بالکل نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے کہ طلاق اور حلالہ توام بن چکے ہیں۔ تیسری طلاق کے بعد طلاق دینے والے مرد اور طلاق یافتہ عورت کے مابین جو حرمت پیدا ہو جاتی ہے اسے سزا فرض کرنے اور اس سزا کو عسیلہ کے حصول سے قبل تک اتمام یافتہ نہ سمجھنا بھی معمول بہ فقہ کا مفروضہ ہے۔

تیسری طلاق کے بعد عورت کی حیثیت طلاق دینے والے مرد کے لیے دوسرے مرد کی منکوحہ کی جیسی ہو جاتی ہے۔ جب تک دوسرے مرد کی منکوحہ طلاق یافتہ نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ کسی اور مرد کے نکاح کے قابل نہیں ہوتی، اسی طرح تین طلاق یافتہ عورت طلاق دینے والے مرد کے لیے اس وقت تک نکاح کی اہل نہیں ہوتی جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے طلاق یافتہ نہیں ہو جاتی۔ ایک طلاق کے بعد عورت طلاق دینے والے مرد سے نکاح کر سکتی ہے دوسری طلاق کے بعد بھی عورت طلاق دینے والے مرد سے نکاح کر سکتی ہے مگر تیسری طلاق کے بعد وہ طلاق دینے والے مرد کے نکاح کی اہل نہیں رہتی۔

''حلالہ'' اس صورت حال کو کہا جاتا ہے جس میں تین طلاق یافتہ عورت طلاق دینے والے مرد کے نکاح کی اہل ہو جاتی ہے اور اس کی ایک ہی شرط ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے طلاق یافتہ ہو۔ دوسرے مرد سے طلاق یافتہ ہونا کافی ہے، تین طلاق یافتہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ طلاق اور حلالہ کو دو متوازی خطوط بنانے والا فقہی ذہن یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ طلاق اور حلالہ کو متوازی خطوط بنانا نہ دین کا تقاضا ہے نہ انسانی تناظر میں جائز عمل ہے۔ تین طلاق کا وقوع عام ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ایک طلاق کے بعد مرد اور عورت کے مابین عقد نکاح ختم ہو جاتا ہے، عقد نکاح کو مزید جاری رکھنا ہے یا نہیں رکھنا یہ ایک دانستہ اور شعوری فیصلہ ہے۔ تیسری طلاق تک نوبت جانے کا امکان بہت ہی کم ہے اور اگر تیسری طلاق تک نوبت چلی جاتی ہے تو ان دونوں کا دوبارہ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کا امکان بہت ہی قلیل ہے اور دینی اعتبار سے فقط اسی صورت میں ممکن ہے عورت دوسرے مرد سے طلاق یافتہ ہو۔ طلاق یقیناً غیض وغضب اور طیش میں دی جاتی ہے مگر نکاح کی بحالی یا تجدید نکاح، ایسا عمل نہیں جس میں غیر فطری اضطرار محرک بن سکے۔ ایک طلاق کے بعد عقد نکاح بحال کرنا یا تجدید نکاح کے بغیر دوسری طلاق کی باری کبھی نہیں آسکتی۔ پہلی طلاق کے بعد نکاح بحال کر لیا جاتا ہے یا بعد از عدت تجدید نکاح کر لیا جاتا ہے تو دوسری طلاق کی نوبت دوسرے دن نہیں آجاتی، ازدواجی تعلقات میں ایسی خرابی جو نکاح کی بحالی کے دوسرے دن طلاق پر منتج ہو، غیر فطری اور غیر انسانی نہ سہی مگر امکان کی دنیا میں بعید الوقوع ضروری ہے۔ بالفرض دوسری طلاق کی نوبت آجاتی ہے تو کیا دوسری طلاق کے بعد نکاح کی بحالی یا تجدید بغیر سوچے سمجھے کر لی جائے گا یا کی جاسکتی ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوبار نکاح کی بحالی یا تجدید کے بعد بھی تیسری طلاق دی جاتی ہے تو یہ کسی طور سے بھی اضطراری یا غیض و غضب کا فیصلہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ تیسری طلاق ایک دانستہ اور سوچا سمجھا ہوا فیصلہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں مرد و عورت کے مابین ازدواجی نباہ ممکن نہیں ہے، یہ گویا فقط عقد نکاح ہی کا خاتمہ نہیں بلکہ ازدواجی نباہ کی بھی انتہا ہے۔ طلاق دینے والا مرد اور طلاق یافتہ عورت اس صورت حال میں دونوں ایک دوسرے کی طرف کیسے رجوع کرسکتے ہیں؟ معمول بہ فقہ کے حاملین و عاملین نے طلاق اور حلالہ کو پہلے توام بنایا اور پھر اس سے پیدا ہونے والی خرابی کو رفع کرنے کے لیے وقوع طلاق کے شرائط میں غیر فطری مفروضوں کا اضافہ کیا ہے۔ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق اور پھر متصل تیسری طلاق یا ایک ہی لفظ سے تین طلاق یا تین بار پے در پے طلاق کہنے سے تین طلاق کے وقوع پر کسی نے غور وفکر نہیں کیا۔ اگر ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق نکاح کی بحالی یا تجدید نکاح کے بغیر ممکن ہے تو حلالے کے سوا کوئی چارہ نہیں لیکن اگر ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق سے قبل نکاح کی بحالی یا تجدید نکاح ضروری ہے تو حلالہ اور طلاق توام نہیں بن سکتے۔ اللہ تعالیٰ علمائے فقہ کو صحیح صورت حال کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے جنہوں نے دین کو دین نہیں رہنے دیا اور تفقہ فی الدین کو مکاتب فکر میں بدل دیا ہے۔ دین کے دین ہونے کی پہلی اور آخری شرط ''منزل من اللہ'' ہو یا وحی شدہ ہو اور ''تفقہ فی الدین'' کی پہلی شرط اور آخری شرط غور و فکر کا فریضہ ''الـــدیـــن'' میں ادا کیا جائے نہ کہ مذہب، مسلک اور مشرب میں فقاہت کے جوھر دیکھائے جائیں۔ تفقہ فی الدین اور تفقہ فی المذھب میں بڑا فرق ہے، یہ دونوں ایک شے ہیں اور نہ ایک سمجھی جاسکتی ہیں۔ ''دین'' کا معیاری فہم وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم سے کامل ہم آہنگی رکھتا ہے باقی سب کچھ لاشی اور لاامکان کے زمرے میں بھی ہے۔ والسلام علی من اتبع الھدی

☆......☆......☆

عقیدہ ختم النبوۃ

کی چودھویں جلد کے بعد ایک سے سات تک جلدوں کا سیٹ دوبارہ شائع ہوگیا ہے۔

اپنا سیٹ بک کروالیں

ملنے کا پتہ

مکتبہ برکات المدینہ متصل جامع مسجد بہار شریعت بہادر آباد کراچی

© rasailojaraid.com